خیال در خیال

ترجمان القرآن کے تازہ شمارے سے استفادہ کرتے ہوئے

جناب نعیم صدیقی صاحب

نام نہاد "اسلامی فلم" کا ایک اور خطرناک پہلو امریکہ میں مقیم شامی کمیونسٹ مصطفےٰ العقاد کی ہدایت کاری میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک سے متعلق جو "اسلامی فلم" تیار ہو رہی ہے، اس کے فتنہ پنہاں کو نمایاں کرنے میں آپ کا تازہ اداریہ بے حد کامیاب ہے اور بہت اچھا معلوماتی پس منظر اس میں جھلکتا ہے۔

البتہ ایک پہلو ایسا ہے جس کی طرف توجہ دلانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ کہانی اور مکالمات کتنے ہی بہترین کیوں نہ ہوں، ہدایت کار اگر چاہے تو وہ کسی بھی فلمی کردار یا کرداروں کے چہروں اور لباسوں اور ان کے فنی ڈھانچے میں ایسا انداز پیدا کر سکتا ہے، جو بالکل لاشعوری طور پر اُس کردار یا کرداروں کے متعلق کسی غلط فہمی کا ہلکا سا بُرا اثر دیکھنے والوں پر چھوڑ جائے، پھر جبکہ کردار اسلام کی نمائندگی کرنے والے ہوں، تو ایسی فنی مساعی خود اسلام کے متعلق کم سے کم غیر مسلم اقوام میں اور مسلمانوں کے اندر کے انحراف پسند "جدیدوں" میں بُرے اثرات پیدا کر سکتی ہیں۔ میرے اس دعوے کی تائید ان فرضی تصاویر سے ہو سکتی ہے جو وقتاً فوقتاً آنحضورؐ کو ایک خاص نقشے میں پیش کرتی ہیں۔

امریکی تھیٹر اور فلم پر صہیونیوں کی رُوح مسلط ہے۔ نیز اسلام اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کے متعلق مستشرقین نے جس مہارت سے اپنی خوبصورت عبارات کے تودوں میں نشتر رکھ دیے ہیں، اُن کو سامنے رکھتے ہوئے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ حروبِ صلیبیہ کے سانچے میں ڈھلا ہوا متعصب عیسائی ذہن فلم کے دائرے میں کتنے فنکارانہ طریق سے ضرر رساں کام کر سکتا ہے۔ تیسرا مخالف اسلام عنصر کمیونسٹوں کا ہے

جو کوئی فلم بھی تبلیغ اسلام کے مقصد سے بنانے والا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جس کا اصل مدعا الحاد پیدا کرنا اور اسلام سے انحراف کے لیے ذہنوں کو تیار کرنا ہو سکتا ہے۔

ان عناصر کے ہاتھوں شروع میں اگر ایک آدھ فلم مسلمانوں کے نازک مذہبی جذبات کے لحاظ سے محتاط انداز پر بھی بن جائے تو ایسی فلم کا مسلمانوں کی طرف سے گوارا کیا جانا متذکرہ خطرے کا پھاٹک ہمیشہ کے لیے کھول سکتا ہے، درآنحالیکہ اس پھاٹک کا قفل پہلی بار کھولنے کے لیے کنجی گھمانے والے ہاتھ خود ہمارے ہی ہوں گے۔ ہم اسلام کے متعلق فلم سازی کا دروازہ کھول کر گویا اپنے دین، اپنی تاریخ اور اپنی درخشاں شخصیتوں کی من مانی عکاسی کرنے کا لائسنس یہودیوں، مستشرقین اور کمیونسٹوں اور بھارتیوں کے حوالے کر دیں گے۔ اس خطرے کو سامنے رکھتے ہوئے میں تو یہ کہوں گا کہ اگر بہترین پارسا اور ذہین مسلمان بھی اس کام کا آغاز کریں تو بھی وہ اپنے دشمنوں کو ایک ضرر رساں قوت سے مسلح کر دیں گے۔

معاملہ محض کرداروں کے ڈھانچوں میں گڑبڑ کرنے ہی کا نہیں (اور ہر مصنوعی کردار بجائے خود گڑبڑ کی ایک صورت ہے ہی!) بلکہ ان کی زبانوں سے ادا ہونے والا بسا اوقات ایک جملہ اور ان کے تاریخی عمل کی عکاسی میں ایک خلافِ حقیقت جنبش اُن کے متعلق اور خود اسلام کے متعلق ذہنوں میں خلل پیدا کر سکتی ہے۔

اس سے پہلے ہمیں اہلِ مغرب اور ہنود کی لکھی ہوئی تاریخوں کا تجربہ ہے کہ کس طرح مسلم تاریخ کے بعض ابواب اور بعض شخصیتوں کو اس بُری طرح مسخ کیا گیا ہے کہ اُن کے اثرات کا ازالہ کرنا آسان نہیں۔ یہاں برصغیر کی تاریخ میں اکبر اور اورنگ زیب کی تصاویر میں جس بے باکی سے غلط رنگ بھرا گیا ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔ کیا ہم مسلمان اب اپنی تاریخ کے مقدس ترین دور کے متعلق بھی ایسے ہی تلخ تجربے سے دوچار ہونا چاہتے ہیں ——— اور وہ بھی کتابی مواد سے دس گنا زیادہ وسیع الاثر راستے سے! ——— ایک فلم ہزارہا افراد کے ذہنوں میں جن کی اکثریت اَن پڑھ، یا کم خواندہ اور دینی حقائق کے وسیع شعور سے خالی ہوتی ہے، ایسے بیج بو سکتی ہے کہ اُن سے اُگنے والے اشجارِ خبیث زہریلے کانٹے بکھیرتے رہیں اور صحیح الفکر لوگ بے بسی سے اس آفت کو دیکھتے رہیں یا زیادہ سے زیادہ احتجاجی انداز پر آہ و فغاں کر لیں مگر کسی نام نہاد "اسلامی فلم" سے متاثر شدہ عوام کے وسیع حلقوں کو چشم و گوش کی راہ سے دماغی زہر خورانی کا شکار بنانے والوں سے بچانے کے لیے کچھ نہ کر سکیں۔

تائید میں میں ایک تازہ ترین خبر پیش کرتا ہوں۔ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی نے ٹیلی ویژن پروگراموں کے خلاف تشویش ظاہر کرتے ہوئے احتجاجاً کہا ہے کہ:

"ان پروگراموں میں نہ صرف واقعاتی غلطیاں ہوتی ہیں بلکہ عام دیکھنے والے یہ تاثر قائم کرتے ہیں کہ بعض نہایت اہم حکمرانوں کا کردار درحقیقت قابل مذمت تھا۔

....." ہماری تاریخ کو ہماری آنکھوں کے سامنے مسخ کیا جا رہا ہے۔" (نوائے وقت مورخہ ۱۰ رجون ۱۹۷۵ء ص ۲، کالم ۲، ۳۔)

یہ کارنامہ خود ہمارے اپنے مسلمانِ کرام کے ہاتھوں انجام پا رہا ہے۔ اور اگر آپ ان لوگوں کو تصور میں لائیں جنہوں نے سندھ کی تاریخ میں داہر جیسے مجسمۂ ظلم و شیطنت کو ایک چہیتے محبِ وطن کردار سے آراستہ کر کے محمد بن قاسم کے پاکیزہ کردار کو بدترین صورت میں مسخ کیا ہے، انہیں اگر ٹیلی وژن پر من مانے طرز پر کام کرنے کا موقع مل جائے یا اپنی تاریخ کو اپنے تصورات کے مطابق فلمانے کا ٹاسک انہیں دے دیا جائے تو فاسد پروپیگنڈے کی یہ یلغار کتنی خوفناک ہوگی۔

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہماری تاریخ اور خصوصاً اس کا مقدس ترین دور مسلم دشمن فلم سازوں کے ہتھے چڑھ جائے تو کیا کیا قیامتیں نہ گذر جائیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنی نادانیوں اور دشمنوں کی عیاریوں سے بچائے۔

(۲)

موجودہ جمہوریت کش ماحول میں دعوتِ اسلامی کا کام

"دعوتِ اسلامی کی کامیابی کا راستہ" کے عنوان سے مولینا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی طرف سے صوبائی تربیت گاہ میں چند روز مرہ پیش آنے والے سوالات کے جواب میں بڑے مؤثر انداز میں کام کی باتیں کارکنانِ تحریکِ اسلامی سے کہی گئی ہیں۔ مولینا اپنے موجودہ دورِ عمر و صحت میں کسی موقع پر جو مختصر ارشادات پیش کرتے ہیں وہ ہمارے تحریکی سرمایۂ فکر میں گراں قدر اضافے کا باعث بنتے ہیں۔ ان ارشادات کی اہمیت اس لحاظ سے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ اب مولینا کی وسیع علم کے ساتھ تہائی صدی کے تحریکی کام کا عملی تجربہ بھی شامل ہے۔ کاش کہ لوگ ان چیزوں کو فکر و تدبر کے ساتھ پڑھیں، اور اپنی روز مرہ پالیسیوں اور اقدامات کی تشکیل میں ان سے مکمل استفادہ کریں۔

میں نے اس حصہ کو بغور پڑھا اور جہاں جہاں کوئی چیز خاص طور پر دامن کشِ توجہ ہوئی وہاں

رُک کر حالات کو سوچا۔

مثلاً ۱۸۵/۳۵ صفحے کا دوسرا سوال موجودہ جمہوریت کش فضا میں اسلام کو جمہوری طریقِ دعوت سے پیش کرنے پر اُس اشکال کا عکاس ہے جو بکثرت ذہنوں میں پایا جاتا ہے۔ اس پوری بحث سے تو تعرض کرنا مقصود نہیں، البتہ اس کے ایک پہلو کو اُجاگر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مولینا نے فرمایا:

"اسلام کا کام کرنے کے لیے کھلی ہموار شاہ راہ تو کبھی نہیں ملی ہے۔ یہ کام تو جب بھی ہوا، جبر و ظلم کے مقابلے میں ہر طرح کی کڑیاں جھیل کر ہی ہوا، اور وہ لوگ کبھی یہ کام نہ کر سکے جو یہ سوچتے رہے کہ جاہلیت کے علمبرداروں کی اجازت، یا اُن کی عطا کردہ سہولت ملے تو وہ راہِ خدا میں پیش قدمی کریں۔ آپ جن برگزیدہ ہستیوں کے نقشِ پا کی پیروی کر رہے ہیں، اُنھوں نے اُس ماحول میں یہ کام کیا تھا جہاں جنگل کا قانون نافذ تھا اور کسی شہری آزادی یا بنیادی حق کا تصور تک موجود نہ تھا..... جب ایک معقول اور دل لگتی بات کو عمدہ اخلاق کے لوگ لے کر کھڑے ہوں، اور سخت سے سخت ظلم و ستم سہنے کے باوجود اپنی بات ہر حالت میں لوگوں کے سامنے پیش کرتے چلے جائیں تو لازمی طور پر اس کے تین نتائج رونما ہوتے ہیں۔ ایک نتیجہ یہ کہ اس صورت حال میں بہت زیادہ باہمت اور اولوالعزم لوگ ہی اس دعوت کو علانیہ قبول کرتے ہیں اور وہ اس کے لیے ایسا قیمتی سرمایہ ثابت ہوتے ہیں جو کسی دوسری صورت میں بہم نہیں پہنچ سکتا۔ دوسرا نتیجہ یہ کہ اس خوفناک فضا میں بکثرت، بلکہ بے اندازہ لوگ اس دعوت کو دل میں مان لیتے ہیں مگر آگے بڑھ کر اس میں شامل نہیں ہوتے۔ مخالف طاقت آخر کار اس کا نقصان خود اُٹھاتی ہے۔ اسے قطعی اور حتمی شکست ہونے تک کبھی یہ پتہ ہی نہیں چلنے پاتا کہ جس دعوت کو مٹا دینے کے لیے وہ اپنی چوٹی کا زور لگا رہی ہے، اس کے حامی کہاں کہاں پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ اُس کی اپنی صفوں تک میں موجود ہوتے ہیں اور وہ اُن سے بے خبر رہتی ہے۔ تیسرا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اخلاقی برتری اور دعوت کی مقبولیت اور صداقت اپنی فطری طاقت سے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اس کے دشمن اس کے پیروؤں پر جتنا زیادہ ظلم کرتے ہیں اُتنے ہی وہ

ہر شریف النفس اور نیک طبع انسان کی نظر سے گرتے جاتے ہیں۔ اُس کے پیرو جتنی ہمت اور ثابت قدمی کے ساتھ ظلم برداشت کرتے چلے جاتے ہیں اور اپنی حق پرستی سے بال برابر بھی نہیں ہٹتے، اتنی ہی اُن کی قدر و منزلت عام دیکھنے والوں ہی میں نہیں بلکہ خود دشمنوں کی صفوں میں بھی بڑھتی چلی جاتی ہے ..... یہ تو حق کی کامیابی کا فطری راستہ ہے"۔

اصل میں یہ اس اضطراب کا جواب ہے جو دعوتِ اسلام کو معلّمانہ، اخلاقی اور جمہوری اسلوب سے پیش کرنے میں موجودہ جمہوریت کش ماحول میں پیش آ رہا ہے۔ متذکرہ جواب میں ایک حقیقتِ مضمر ایسی ہے جسے میں نمایاں کر دینا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ تاریخ انسانی میں جہاں ظلم و تشدّد کی ایک قوت کام کرتی دکھائی دیتی ہے، وہاں اس کے جواب میں مظلومیّت خود ایک ایسی دوسری قوت ہے جس نے بارہا انسانی افکار و کردار کو بدلا اور تاریخی رَد کا رُخ موڑا ہے۔ اپنے اقتدار اور مفاد کے لیے ظلم کرنا بھی ایک چیز ہے، مگر ذاتی نفع و نقصان سے بے نیاز ہو کر دعوتِ حق پر ثابت قدم رہتے ہوئے ظلم سہنا بھی ایک زبردست تاریخی و سیاسی محرک ہے۔ یہ حقیقت اگر سامنے ہو جسے قرآن نے بہت اچھی طرح اُجاگر کیا ہے، تو پھر عزم و ثبات کے ساتھ صبر کا مظاہرہ بڑے دُور رس اثرات رکھتا ہے۔

ایک اور چیز جو ہمارے کارکنوں کی نگاہ میں رہنی چاہیے وہ یہ ہے کہ ہم مادی قوتوں کے علاوہ ایسے فوق الانسانی عوامل کو بھی تاریخ میں فیصلہ کن پارٹ ادا کرتے دیکھتے ہیں جن کو مشیت کے زیرِ عنوان رکھا جا سکتا ہے اور جس کی ایک ذرا سی جھلک قصّہ خضر میں دکھائی گئی ہے۔ یہی مشیت کی قوت کبھی نا سازگار حالات میں یکایک ایسا نیا راستہ کھول دیتی ہے جس کا عقلی طور پر پیشتر سے کوئی تصور نہیں ہوتا۔ بارہا فضائے ترقی میں بال جبریل قوتیں بلند پروازی کرتے کرتے یکایک نیچے گر جاتی ہیں۔ کتنے ہی تخت اُلٹتے رہتے ہیں، کتنے ہی تاج ہمارے سامنے ٹھوکروں کی زد میں آئے، کتنے ہی حالات ہیں جن سے برآمد ہونے والے نتائج کے بارے میں لوگوں نے جو قطعی اندازے کیے تھے، وہ وقت آنے پر بالکل غلط ہو کر رہ گئے۔ انڈونیشیا میں کمیونسٹ انقلاب کے لیے دس سال پہلے وسیع افرادی قوت نے اتنی مکمل تیاری کر لی تھی کہ کوئی راہ نجات دکھائی ہی نہ دیتی تھی، مگر لمحۂ معین آیا تو انقلاب کو پہلا قدم اُٹھاتے ہی شکست ہو گئی۔ ابھی پرتگال میں سُرخ انقلاب اُمڈ رہا تھا، مگر فوجی تسلّط کے باوجود (باقی بر صفحہ ۴۴)

(بقیہ خیال در خیال) انتخابات ہوئے تو نتیجہ برعکس نکلا۔ ایسی مثالیں بے شمار ہیں۔

فی الحقیقت کسی اسلامی تحریک کے لیے دیکھنے کی چیز صرف ظاہری حالات اور مادی عوامل ہی نہیں ہوتے بلکہ وہ تاریخ کی حرکت میں مشیت کو اہم ترین عامل مانتی ہے۔

پس کسی جمہوریت کش فضا اور کسی ظلم و جبر کے ماحول سے داعیانِ حق کو مایوسانہ اثر نہیں لینا چاہیے، بلکہ وہ صبر و ثبات کے ساتھ تسلسل سے اپنا داعیانہ و معلمانہ کام انفرادی زندگیوں سے لے کر سیاست کے دائروں تک ہر امکانی صورت میں زور شور سے جاری رکھیں۔